اسلامی اصول تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان☆

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے علم حدیث کے بارے میں روایت اور روایت کے لئے جو اصول منضبط کئے ہیں ان پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے، روایت کے بارے میں ان کے عزم واحتیاط کا عالم یہ تھا کہ سیر و مغازی تو بتہ بری چیز ہے، وہ عام خلفاً اور سلاطین کے حالات اس وقت تک بیان نہیں کرتے جب تک کہ ان کے پاس آخری راوی سے لے کر چشم دید گواہ تک تسلسل کے ساتھ روایت موجود نہ ہو، یعنی جو واقعہ لیا جائے وہ اس شخص کی زبانی ہو جو خود شریک واقعہ رہا ہو اور اگر وہ خود شریک واقعہ نہیں تھا تو اس واقعے تک تمام درمیانی راویوں کے نام ترتیب کے ساتھ بیان کئے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی تحقیق کی جائے کہ وہ لوگ کون تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا کردار کیسا تھا؟ ان کی سمجھ کیسی تھی؟ ثقفہ کہاں تک تھے؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس تھے؟ عالم تھے یا جاہل؟ تمام جزئی باتوں کا پتا لگانا بے حد دشوار تھا لیکن ہزاروں محدثین نے اس کام کے لئے اپنی عمریں وقف کردیں اور ان تحقیقات سے اسماء الرجال کا ایک بے مثل فن ایجاد کیا کہ جس کی بدولت کم از کم ایک لاکھ شخصیتوں کے صحیح حالات معلوم ہو سکتے ہیں، اگر کسی راوی پر کذب، تہمت، غفلت، ثقات کی مخالفت یا حافظے کی کمزوری وغیرہ کا الزام ہے تو محدثین نے بلا تکلف اس کو مجروح اور اس کی روایت کو مردود، بدعت قرار دیا ہے، مرفوع، موقوف، قول وفعلی وتقریری، نیز آحاد ومتواتر، مشہور وعزیز وغریب، اسی طرح صحیح وحسن اور مقبول ومردود وغیرہ کتنی اقسام حدیث ہیں، جن کی تقسیم خود اپنی جگہ اس امر کی شاہد ہے کہ علماء اسلام کی نظر کس قدر گہری تھی اور ان کا معیار

☆ معروف محقق سابق چیئرمین شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی۔

تحقیق کس قدر بلند تھا، فن روایت کے بعد روایت کا نمبر آتا ہے، یعنی ایک حدیث کے تمام راوی (شروع سے آخر تک) ثقہ اور مستند تو ضرور ہیں لیکن ممکن ہے کہ عقلاً اس روایت میں کوئی خامی موجود ہو، چنانچہ ایسی روایت بھی غیر معتبر قرار دی جائے گی، محدثین نے روایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کو پرکھنے کے لئے یہ اصول قائم کئے ہیں:

۱۔ واقعۂ مذکورہ کیا اصول، عدات کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ اس زمانے میں لوگوں کا عادم سیلان کیا واقعے کے مخالفت تھا یا موافق؟

۳۔ اگر واقعہ کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴۔ اس امر کی تفتیش ضرور ہے کہ واقعے کے متعلق راوی کے قیاس اور رائے کو کہاں تک دخل حاصل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعے کو جس صورت میں ظاہر کیا ہے وہ واقعے کی پوری تصویر ہے یا اس امر کی احتمال ہے کہ راوی اس واقعے کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور اس کی تمام خصوصیات کا جائزہ نہیں لے سکتا۔

۶۔ اس امر کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے واقعے میں کیا کیا اور کس سک قسم کے تغیرات پیدا کردے ہیں۔(۲)

درایت یعنی عقلی حیثیت سے واقعات کو جانچنے کے یہ اصول اس قدر قومی ہیں کہ روایوں کی صداقت اور دیانت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی منافقین کی افترا پردازی کی قطعی بھی کھل جاتی ہے۔ شمع رسالت کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پروانوں میں سے ساڑھے ساتھ ہزار ایسے ہیں جن کی روایات، کتب احادیث میس منقول ہیں اور سب کی سب مستند و معتبر ہیں، چنانچہ محدثین نے بے خوف ہوکر بڑے سے برے راوی اور روایت کو پرکھا ہے اور جزم اور احتیاط کے معاملے میں کسی رورعایت کو جگہ نہیں دی، امام وکیعؒ کی مشہور واقعہ ہے کہ وہ اپنے والد سے جب روایت کرتے ہیں تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور

ملا لیتے ہیں کیونکہ ان کے والد سرکاری خزانچی تھے، اسی طرح محدث مسعودی کا واقعہ ہے کہ ۱۵۴ھ میں امام معاذؒ بن .... نے جب ان کے نسیان کا اندازہ کیا تو فوراً ان کے حافظے سے متعلق اپنی بے اعتباری ظاہر کردی، لیکن یہ حالات دیر تک ایک آہنگ پر قائم نہ رہ سکے اور خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم کے مصادق معاشرے کے صدق حال و مقال میں فرق آگیا۔ (۳) چنانچہ جب علامہ ابن خدوم (۸۰۸ء) نے فلسفہ'' تاریخ پر بحث کرنی چاہی تو انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعات کی تصویر کشی میں غلطیوں کا رجحان پایا جاتا ہے، کیونکہ انسان ضعأ اپنی رائے سے مطابقت رکھنے والی چیزوں کو بغیر چھان بین کے بھی قبول کرلیتا ہے اور خبر پہنچانے والوں کی روایات کو حالات کے تقاضے کے متعلق جانچنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ فلاں حالات کے تحت ایسا واقعہ رونما ہو بھی سکتا تھا یا نہیں۔ (۴) اصول عادت، قواعد سیاست، طبیعت تمدن اور اجتماع انسانی کے حالات پر نظر رکھنی بہر حال ضروری ہے، کیونکہ انسان کے زمان و مکان کے واسطہ انہی چیزوں سے ہوتا ہے اور ان کے بغیر کوئی تاریخ، تاریخ نہیں ہوسکتی۔

مغربی فکر تحقیق:

مسلمانوں کے اصولِ تحقیق آویز آچکے ہیں، قریب قریب یہی اصول اب مغرب کی کتابوں میں بھی بیان ہونے لگے ہیں Carter V. Good کی مشہور کتاب The Methodologoy of Educational Rescarch میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں انکا خلاصہ یہ ہے: (۵)

> کسی واقعے کو پرکھنے کے لئے خارجی اور داخلی شہادتوں کی ضرورت ہو کرتی ہے، مواد کہاں سے حاصل ہوا؟ راوی کون تھا؟ اس کے ذاتی حالات یعنی مزاج، مذاق، کردار و گفتار کی نوعیت کیا تھی؟ اس کا تعلق ان واقعات سے کیا تھا؟ واقعہ نگاری کی نوعیت کیا ہے؟ پھر اس خاص واقعے کے کتنے عرصے کے بعد راوی نے اسے نقل کیا؟ وہ راویت محض حافظے کی

بنا پر بیان کی گئی ہے یا کسی اور راوی نے بھی اس کی تصدیق کی ہے؟

اصل واقعہ کتنا ہے اور تحریف یا اضافہ کس حد تک ہے؟

یہ اصول Carter V. Good نے فراہم کئے ہوں یا Dr. Hollis نے جمع کر لئے ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ سب کے سب اور قطعی طور پر مسلمانوں کے اصول حدیث سے ماخوذ ہیں اور ایسے ہیں کہ ان پر خود مغربی مستشرقین کا حقہ عمل نہیں کر سکتے، چنانچہ یہ اصول ''فکری تحقیق'' یا ''نظریاتی تحقیق'' کے ذیل میں تو آسکتے ہیں لیکن ''عملی تحقیق'' کے دائرہ عمل سے باہر ہیں اور یہ محض اس لئے ہے کہ ان کے یہاں بلکہ اب تو کسی کے یہاں بھی وہ احتیاط برتی نہیں جاتی جو مسلمانوں کے قرونِ اولیٰ میں تھی۔ (٦) موجودہ دور کا محقق صرف اس بات سے خوش ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے موضوع سے متعلق کوئی معاصر شہادت ڈھونڈ نکالی، اب اسے مزید تحقیق و تنقیح سے سروکار نہیں اور اس کے لئے اس کے پاس کوئی گنجائش بھی تو نہیں، وہ کہاں سے اور کس طرح معلوم کر سکتا ہے کہ معاصر راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ؟ نکتہ رس ہے یا سطحی الذہن؟ حافظے میں پختہ ہے یا نسیان کا شکار؟ بے جا عقیدت رکھا ہے یا بغض پرور ہے؟ ملازمت یا خدمت گزاری کی وجہ سے خوشامدی اور ذہنی سستی میں گرفتار رہے یا حق گو اور بے خوف ہے؟ یہ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات اگر اٹھانے بھی جاؤں تو ان کا حل کہاں اور کونکر مل سکے گا؟ بالا آخر اسی بات پر اکتفا کرنا پڑتا ہے کہ جس شخصیت پر کام کیا جائے، اس کے ماحول اور معاشرے کا جائزہ لے لیا جائے اور اس کی ''باقیات'' کا بغور مطالعہ کر لیا جائے، مجھے یہ عرض کرنے میں پاک نہیں کہ ہم لوگ نے اس انداز سے بھی بہت کم کام کیا ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ اس نقص کا احساس بھی بہت کم ہے، ایک موٹی مثال ''عالمگیریات'' کی ہے، یعنی اورنگ زیب عالمگیر سے متعلق جو ہمارے...... کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے برصغیر میں اس پر سب سے زیادہ کام ہوا ہے تو کیا وہ انصاف سے بتا سکیں گے کہ عالمگیر کی مذہبی پالیسی کے لئے ان اسباب و علل پر بھی غور کیا گیا ہے جو اخلاقی اور روحانی طور پر ان کو متاثر کیسے ہوئے تھے؟ میری مراد ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے صاحبزادگان اور بالخصوص

ان کے پوتے یعنی حضرت خواجہ محمد نقشبندی ثانی رحمہ اللہ اور حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ سے، انہوں نے .... بکثرت مکتوبات سے اور خود اپنی صحبت کا برکت سے کسی کو متاثر کیا تھا، افسوس کہ ہم نے عموماً ان خانقاہوں سے ہنوز رجوع نہیں کیا جہاں اس قسم کے بکثرت جواہر پارے موجود ہیں، ان بزرگانِ دین کے بارے میں وقائع نعمت خان عالی کا یہ شعر ہم نے بار بار پڑھا ہوگا:

اترلر و زور و بہتاں، فال و خواب خواجگان
شید و خدعہ دعوت شیخانِ سرہندی وطن

لیکن کبھی اس شعر پر ہم نے غور بھی کیا ہوتا، کہ وہ حقیقت انکار ہے یا حقیقت سوز؟

پھر عالمگیر کے مقربین میں سے قاضی شیخ الاسلام، شائستہ خان، عاقل خاں، سیف خاں، بختاور خان، مکرم خاں، مصطفیٰ خاں، میرزا سیرک گرز برادر وغیرہ بکثرت لوگ ایسے ہیں جن کے نام ان بزرگوں کے متعدد مکتوبات میں موجود ہیں، کیا یہ مکتوبات، تصوف کے ساتھ ساتھ تاریخ کا بیش بہا خزینہ نہیں؟ ان بزرگوں کے اعزا اور خلفا میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی تصانیف موجود ہیں اور ان سے بعد والے سیاسی معاشرتی اور تاریخی حالات کے لئے بہت کچھ مواد حاصل ہوسکتا ہے، خود سندھ کے مختلف بزرگانِ دین کے ملفوظات اور مکتوبات بھی اس لحاظ سے بہت اہم ہیں اور ان جواہرات کی قدر کے لئے کسی شاہ کی نہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زبان مبارک سے فرمایا وہ حدیث قولی ہے، جو کچھ خود کیا ہے وہ حدیث فعلی ہے اور جو کچھ آپ نے سامنے ہوا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا تو وہ حدیث تقریری ہے، جس حدیث کو ہر زمانے میں بکثرت لوگوں نے روایت کیا ہو کہ احتمال کذب نہ رہا ہو اسے متواتر کہتے ہیں اور آحاد وہ ہیں جن کی روایت میں اتنی کثرت نہ ہو، پھر آحاذ کی تین قسمیں ہیں، ۱۔ مشہور جس کو ہر زمانے میں تین یا زائد روایتوں نے روایت کیا ہو، ۲۔ عزیز جس کو ہر زمانے میں دو راویوں نے روایت کیا ہو،

۳۔غریب جس کوکسی زمانے میں ایک ہی راوی نے روایت کیا ہو، آحاد کی وہ روایت جس کے راوی کی سچائی مسلم ہو وہ مقبول کہلاتی ہے ورنہ مردود، پھر احاد مقبول میں سے وہ حدیث جس کو پرہیز گار اور خوب یاد رکھنے والوں نے ہر زمانے میں روایت کیا ہو اور اس میں کوئی عیب پوشیدہ نہ ہو اور معتبر لوگوں کی مخالفت بھی نہ ہو تو اسے صحیح کہتے ہیں اور اگر ایسی احاد مقبول جس کے راویوں کا حافظہ کم ہو تو اسے حسن کہتے ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ مرفوع وہ حدیث ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہو اور موقوف وہ! حدیث ہے جو کسی صحابی کا قول یا فعل ہو۔

۲۔ مولانا شبلی نے بھی ''سیرت النبی'' اور الفاروق کے مقدموں میں درایت کے ان اصولوں کا ذکر کیا ہے، بعض نے لکھا ہے کہ ''کوئی حدیث اگر عقل، مشاہدہ، مسلسل، اصول مسلمہ، قرآن پاک، احادیث صریحہ، منسوب الیہ کی عادت کے خلاف ہو یا کسی ایسے شخص کی روایت ہو جس سے کسی اور سے روایت نہیں کی یا جس روایت میں راوی کی ذاتی رائے شامل ہو یا جس کے سمجھنے میں راوی سے غلطی کا اجتماع ہے جو ایسی روایت یا یہ اعتبار سے ساقط سمجھی جائے گی۔

۳۔ خطبات مدراس/مولانا سلیمان ندوی/تاریخیت

۴۔ مقدمہ، ابن خلدون

۵۔ ایڈیشن ۱۹۰۱ء/ص ۲۵۷۔۲۵۶

(1945) Towards improving PhD. Programnes.